احمد فراز کی شاعری میں الفاظ کے معنوی واسطے

محمد افضل صفی[1]، ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد**

Abstract:

"Ahmad Fraz holds a distinct identity in Urdu poetry in many repects. On one hand, his poetry consists in a variety of topics, one the other hand it also has a particular identification from teachnical and artistic points of views.His poetry is adorned with all metaphorical sources of words and meanings. Metaphor, symbol, metonymy and allusions-the intrinsic sources - have been used very well. Fraz has contrived scores of such meanings as do not follow lexical limitations and go far from their literal meanings. One has to make use of rational indications and evidences to grasp the meanings (to have an access to the meanings). In this article, the metaphorical links between words and meanings present in Fraz`s poetry, have been brought under discussion, especially those which have increased the meaningfulness of the words."

Key Words: Ahmad Fraz, Poetry, Metaphor, Symbol, Metonymy, allusion.

خلاصہ

احمد فراز اردو شاعری میں کئی حوالوں سے اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔ جہاں اس کی شاعری متنوع موضوعات پر مشتمل ہے وہیں فنی اور تکنیکی حوالوں سے بھی اپنی خاص پہچان رکھتی ہے۔ فراز کی شاعری لفظ و معنی کے تمام مجازی وسیلوں سے مزیّن ہے۔استعارہ، علامت،مجاز مرسل اور کنایہ جیسے معنوی وسیلوں سے خوب کام لیا گیاہے۔فراز نے ایسے بیسیوں معنی وضع کیے ہیں جو لغت کی گرفت میں نہیں آتے اور اپنے لغوی معنوں سے کہیں آگے نکل گئے ہیں۔ ایسے الفاظ کے معنوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے عقلی دلالتوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس مضمون میں احمد فراز کی شاعری میں موجود لفظ و معنی کے ان مجازی واسطوں کو زیر بحث لایا گیا ہے جن کی مدد سے انہوں نے مختلف الفاظ کی معنویت میں اضافہ کیا ہے۔

کلیدی لفظ: احمد فراز، علم بیان، استعارہ، علامت، مجاز مرسل، کنایہ۔

علم بیان کی رو سے لفظ ومعنی کا مجازی تعلق عموماً چار واسطوں سے پیدا ہوتا ہے۔ استعارہ، علامت، مجازمرسل اور کنایہ۔ تشبیہ علم بیان کا حصہ ہونے کے باوجود مجاز کے زمرے میں نہیں آتی۔ ''تشبیہ مجاز تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے خود مجاز نہیں'' (۱)البتہ لفظی تجسیم کاری میں تشبیہ کا عمل دخل ضرور ہے کیونکہ وہ ''استعارہ پیدا کرنے کا وسیلہ ہے'' (۲)علم بیان کے ساتھ ساتھ علم معانی کی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں۔علم معانی ''موزوں ترین الفاظ کے انتخاب کے گر سکھاتا ہے۔'' (۳)لیکن اس کا دائرہ کار بھی دلالت وضعی تک محدود ہے جبکہ علم بیان غیر وضعی دلالتوں کی ترویج کرتا ہے۔ جہاں علم معانی بے بس ہو جاتا ہے وہاں علم بیان مجازی دلالتوں کی مدد سے معنی کی نئی نئی دنیائیں تسخیر کر لیتا ہے۔ احمد فراز نے علم معانی سے بھی خوب استفادہ کیا ہے۔ اُس کی شاعری کا جہانِ معنی مجاز کے مذکورہ چارمعنوی واسطوں سے مکمل ہوتا ہے۔

---

[1]ریسرچ اسکالر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ،اسلام آباد

** ایسوسی ایٹ پروفیسر ، شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی ، اسلام آباد

۱۔ استعارہ: علامت، پہیلی، محاورہ اور ضرب المثل تمام استعارے ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ استعارے کے پیچھے تشبیہ کا عمل کارفرما ہوتا ہے۔استعارہ کے تین ارکان ہیں: مستعارلہ، مستعار منہٗ، وجہ جامع۔انہی ارکان کی مدد سے استعارہ اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے۔ استعارہ یکسانی اور اُکتاہٹ کے خلاف ردِّعمل بھی ہے، ایک جیسی چیزیں دیکھنے محسوس کرنے سے جب طبیعت اُچاٹ ہوتی ہے تو شاعر اظہار کے لیے حقیقت کی بجائے مجاز کا سہارا لیتا ہے۔ احمد فراز کی شاعری میں اس کے عہد کے مسائل، جبر و ستم اور استحصالی رویوں کی بازگشت ملتی ہے۔ فراز کے یہاں جو استعاراتی نظام ملتا ہے، اس کی بنیاد سیاسی، ملی، معاشرتی، معاشی، تہذیبی اور عشق و محبت پر مبنی رویوں پر رکھی گئی ہے۔ احمد فراز کے یہاں استعارہ تخیل کی کارفرمائی ہے۔ یہ "باہر سے لایا ہوا اور پہنا ہوا زیور نہیں جس سے آرائش کا کام لیا جا سکے۔ یہ شعری احساس کی داخلی دنیا سے پیدا ہوتا ہے۔"(۴)

احمد فراز کا تخلیقی سفر تشبیہ سے استعارہ اور استعارے سے علامت تک کا سفر ہے جس میں محاورات (نسبتاً زیادہ) اور ضرب المثل (نسبتاًکم) سے بھی کام لیا گیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کا تخلیقی ذہن تشبیہ کی بجائے استعارات یا علامت کی طرف مائل ہے۔(۵) اُن کے استعارات لفظی و معنوی خوبیوں سے مالا مال ہیں جن کا صوری اور معنوی تاثر قاری کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ فراز کی شاعری میں استعارات کا جہاں آباد ہے جس کا تجزیہ پیشِ خدمت ہے۔ یہاں استعارے کی دو بنیادی صورتیں استعارہ بالتصریح اوراستعارہ بالکنایہ پر بات کرنا مقصود ہے جو احمد فراز کی شاعری میں بکثرت ملتی ہیں۔

استعارہ بالتصریح: اگر طرفین تشبیہ یعنی مشبہ اور مشبہ بہٖ میں سے مشبہ کو حذف کر دیا جائے اور مشبہ بہٖ کو اس قرینے سے استعمال کیا جائے کہ اس سے مراد مشبہ ہو، استعارہ بالتصریح وجود میں آئے گا۔ اب مشبہ بہٖ مستعار منہ بن جائے گا اور شعر میں مذکور ہو گا،مشبہ مستعارلہٗ بن جائے گا اور شعر میں موجود نہیں ہو گا۔

سرِ دیوار فروزاں ہے ابھی ایک چراغ
اے نسیم سحری! کچھ تیرے امکان میں ہے؟

(درد آشوب، ص ۳۳)

مستعارلہٗ: (صاحبِ بصیرت انسان) مستعار منہ: چراغ وجہ جامع: روشنی یا رہنمائی

دیوار، نسیمِ سحری وغیرہ مستعار منہٗ کے لوازمات ہیں۔ قرینہ یہ ہے کہ دیوار پر رکھے ہوئے چراغ کو نسیمِ سحری نے بجھا تو دینا ہے اس لیے استفسار کیا گیا ہے کہ اے نسیم سحری! کیا تیرے امکان میں کوئی روشنی بھی ہے..... عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ نسیم سحری جب چراغ بجھاتی ہے تو صبح کی روشنی آنے لگتی ہے۔ وہ چراغ آخری لمحات میں لڑکھڑا رہا ہے۔جیسا اس کے امکان میں تھاروشنی دیتا رہا اور ابھی تک روشنی دے بھی رہا ہے۔ آخر اس نے بجھنا تو ہے، کیا اس کے بجھنے کے بعد روشنی کا کوئی امکان ہے یا نہیں۔

تھا جنھیں زعم وہ دریا بھی مجھی میں ڈوبے
میں کہ صحرا نظر آتا تھا سمندر نکلا

(پس انداز موسم، ص ۱۱)

مستعارلہٗ: (اہلِ علم) مستعار منہ: دریا وجہ جامع: کثرتِ علم

مستعار منہ: دریا کے لوازمات، ڈوبے، صحرا، سمندر وغیرہ موجود ہیں۔

جنھیں اپنے علم پر ناز تھا جو صاحبِ علم تھے یعنی علم کے دریا تھے۔ ان کے لیے میں سمندر ثابت ہوا، اُن دریاؤں کو مجھ سمندر میں ڈوبنا پڑا یعنی وہ میرے علم و فضل کے قائل ہو گئے۔ میں خود کو علمی حوالے سے صحرا سمجھتا تھا، ان کے لیے سمندر بن گیا۔

چھاؤں میں بیٹھنے والے ہی تو سب سے پہلے
پیڑ گرتا ہے تو آ جاتے ہیں آرے لے کر

(غزل بہانہ کروں، ص ۴۳)

مستعارلہٗ: (شفیق بزرگ) مستعار منہ:پیڑ:وجہ جامع: شفقت/ سایہ

مستعار منہ یعنی پیڑ کے لوازمات چھاؤں اور آرے وغیرہ موجود ہیں۔ سایہ دار پیڑ ایک شفیق بزرگ کی مانند ہے جو سب کے لیے فائدہ مند ہے۔ اس کی شفقت کے سائے میں بیٹھنے والے اس کے گرنے کے بعد اُسی کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اس کے حصے بخرے کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی بزرگ فوت ہوتا ہے تو وراثت کے جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔ زندگی کی تلخ حقیقت کو خوب صورت استعارے کے پیرائے میں واضح کیا گیا ہے پیڑفراز کے ہاں علامت کا درجہ بھی رکھتا ہے۔

کون طاقوں پہ رہا کون سرِ راہگذر
شہر کے سارے چراغوں کو ہوا جانتی ہے

(پس انداز موسم، ص ۸۹)

مستعارلہٗ: (اہلِ علم/ ادیب) مستعار منہ: چراغ وجہ جامع: مقابلہ کرنا/ جبر سہنا

مستعار منہٗ: چراغ،کے لوازمات، طاق، شہر، ہوا موجود ہیں۔

یعنی کس نے حالات سے سمجھوتا کیا اور کون حالات کا مقابلہ کرتا رہا۔ کون سا چراغ طاقوں پہ رہا اور کون سا چراغ سرِ رہگذر مقابلہ کرتا رہا۔ اس بات کی زمانے کو خوب خبر ہے۔ جرأت و مصلحت، جھوٹ اور سچ کے درمیان موجود فرق کو استعاراتی اور علامتی زبان میں خوب واضح کیا گیا ہے۔

پھرآج دانہء گندم کے سلسلے میں فرازؔ
کسی خدا نے مری خُلد بیچ ڈالی ہے

(تنہا تنہا، ص۷ ۳)

مستعارلہٗ: (جابر حاکم) مستعار منہ: خدا وجہ جامع: خود مختاری کا گھمنڈ

مستعار منہ: خدا کے لوازمات، خلد، دانہء گندم وغیرہ موجود ہیں۔ اس استعاراتی رویے میں حکمرانو ں پر طنز کیا گیا ہے کہ انھوں نے روٹی کے بدلے ملک امریکہ یا دوسری بڑی طاقتوں کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔

مژدہ وصل سے کچھ ہم ہی زخود رفتہ نہیں
اس کی آنکھوں میں بھی جگنو سے چمکتے جاویں

(غزل بہانہ کروں، ص۸۵)

مستعارلہٗ: (آنسو) موجود نہیں مستعار منہ: جگنو،ہے اس کی مناسبت چمکنا بھی موجود ہے۔ یعنی وصل کی خوش خبری سے صرف ہم ہی خود رفتہ نہیں، اس کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو چمک رہے ہیں۔ یہاں خوشی کے آنسوؤں کے لیے خوب صورت قرینہ پیدا کیا گیا ہے۔

<u>استعارہ بالکنایہ</u>

استعارہ بالکنایہ میں مستعار منہ مذکور نہیں ہوتا لیکن اس کی کیفیت یا خاص وصف کا ذکر ہوتا ہے جس کی وجہ سے ذہن مستعار منہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ احمد فراز کی شاعری میں استعارہ بالکنایہ کی مثالیں موجود ہیں۔

ہم نوا سنجِ محبت ہیں ہر اک رُت میں فراز
وہ قفس ہو کہ گلستاں ہو چہکتے جاویں

(غزل بہانہ کروں، ص۸۵)

مستعارلہٗ: ہم مستعار منہ (پرندے) جو موجود نہیں لیکن مستعار منہ کے اوصاف چہکتے، قفس،

رت، گلستاں وغیرہ موجود ہیں جن سے ذہن مستعار منہ یعنی (پرندوں) کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لہٰذا چہکنا استعارہ بالکنایہ ہے پرندوں کی طرف۔

اس درد کے موسم نے عجب آگ لگائی
جسموں میں دہکتے ہیں گلاب اور طرح کے

(بے آواز گلی کوچوں میں، ص ۶۰)

مستعارلہٗ: گلاب مستعار منہ: (انگارہ) موجود نہیں۔ دہکنے کے وصف کی بنا پر ذہن انگارے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، دہکنا استعارہ بالکنایہ ہے انگارے کا،یعنی جسموں میں جذبات و احساسات کے گلاب انگارے کی طرح دہک رہے ہیں۔

کیا خبر اُن کو کہ دامن بھی بھڑک اٹھتے ہیں
جو زمانے کی ہواؤں سے بچاتے ہیں چراغ

(تنہا تنہا، ص ۱۳۹)

مستعارلہٗ: دامن مستعار منہ: (شعلہ) موجود نہیں

بھڑکنے کے وصف کی بنا پر ذہن شعلے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ بھڑکنا استعارہ بالکنایہ ہے شعلے کی طرف,دامن نہیں بھڑکتے، شعلے بھڑکتے ہیں یعنی جو زمانے کی ہواؤں سے چراغوں کو بجھاتے ہیں، انھیں خبر نہیں کہ یہی چراغ شعلے بن کر بھڑک اٹھتے ہیں اور دامن کو جلا دیتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے جو زمانے کی ہواؤں سے چراغ بجھاتے ہیں انھیں نہیں خبرکہ دامن بھی شعلوں کی طرح بھڑک اٹھتے ہیں۔

تم نے دیکھی ہی نہیں دشتِ وفا کی تصویر
نوک ہر خار پہ اک قطرہ خوں ہے یوں ہے

(اے عشقِ جنوں پیشہ، ص ۳۲)

دشتِ وفا اضافتِ استعارہ ہے۔ مستعار منہ (عاشق ہے) جس کا ذکر موجود نہیں، اس کا وصف وفا موجود ہے جس کی وجہ سے ذہن عاشق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ مستعارلہٗ یعنی دشت کے مناسبات و لوازمات، خار، نوک قطرہ خوں وغیرہ موجود ہیں۔ سو دشتِ وفا عاشق کی طرف استعارہ بالکنایہ ہے یعنی تو نے وفا کے دشت کی یا عشق کے دشت کی تصویر نہیں دیکھی۔ اس دشت کے ہر کانٹے کی نوک پر اک خون کا قطرہ ہے۔ کسی کی نوک پر ارمانوں کے خون کا قطرہ ہے۔ کسی کی نوک پر خواہشوں کے خون کا قطرہ ہے اور کسی کی نوک پر امیدوں کے خون کا قطرہ ہے یعنی کسی کانٹے نے ارمانوں کا قتل کیا، کسی کانٹے نے خواہشات کا قتل کیا اور کسی نے امیدوں کا قتل کیا۔ یہ ہے عاشق کے دشت یعنی دشتِ وفا کی تصویر۔ استعارہ کا قرینہ نئے نئے معنی متعارف کرا رہا ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو احمد فراز کی شاعری کا استعاراتی نظام، سیاسی، ملّی، تہذیبی، معاشی، معاشرتی اور سماجی رویوں کے ساتھ ساتھ محبوب کے حسن و جمال کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔ جگنو، چراغ، پیڑ، پرندے، دریا ایسے استعارات ہیں جو کسی حد تک علامت کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔ احمد فراز کی شاعری میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ وہ استعارات کی مدد سے ملکی بدحالی اور زمانے کی بے حسی پر طنز کرتے ہیں اور محبوب کے حسن و جمال کی داستانیں بھی رقم کرتے ہیں۔ وہ صاحبِ بصیرت اور علم و دانش رکھنے والی ہستیوں کے لیے چراغ اور سوج کے استعارے استعمال کرتے ہیں۔ ساتھ ہی انھی استعارات یا علامات کی مدد سے وہ طنزیہ مضامین بھی تراشتے ہیں۔ جگنو جہاں اُن کے نزدیک آنسو کا استعارہ ہے، وہیں اُمید کی کرن بھی ہے۔ اسی طرح قفس پرندے صیاد وغیرہ وسیع تناظر میں استعمال ہوئے ہیں۔ احمد فراز کا استعاراتی نظام اُن کی فکری و فنی بصیرت کاآئینہ دار ہے۔اُن کی شاعری میں استعارے کا استعمال الفاظ میں معنوی وسعت پیدا کرنے کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

۲۔ علامت

احمد فراز کی شاعری میں علامت کا استعمال بھی کثرت سے ملتا ہے۔ علامت شاعری میں فلسفے سے گزر کر مساوات کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ علمِ بیان میں تشبیہ، استعارہ اور علامت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ استعارہ تشبیہ کی اگلی منزل اور علامت استعارے کی بلیغ صورت ہے:بقول عارف عبدالمتین:''علامت کسی بھی نوعیت کی اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی بھی دوسری چیز کی نشاندہی کرے یا اس کاسراغ مہیا کرے باالفاظِ دیگر علامت اس پُرمعنی وجود کا نام ہے جس کی معنویت محض اس کے ماورا کسی اور وجود کے حوالے میں مضمر ہے۔''(۶) شعور، لاشعور کا مظہر ہے اور علامت انسانی شعور اور سماج کے رویوں سے جنم لیتی ہے، ہم مختلف چیزوں کا ادراک علامتوں اور نشانات کی مدد سے کرتے ہیں۔ ہر شے جہاں اپنا وجود رکھتی ہے، وہیں اپنا نشان بھی رکھتی ہے۔ یہی نشانات ہیں جو ہمیں پوری کائنات میں موجود اشیا کی شناخت کرواتے ہیں۔ یہ نشانات انسانی شعور اور لاشعور میں کسی نہ کسی طریقے سے آ جاتے ہیں۔ علامت پسندوں نے محض استعارے ہی کو علامت کا درجہ نہیں دیا بلکہ شاعری میں علامت کو موسیقی کے اثرات و کیفیات کے مرتب کرنے کا موجب بھی قرار دیا گیا ہے۔ اردو ادب میں سب سے پہلے صوفیانہ اور سیاسی نوعیت کے استعارات کو علامت قرا ردیا گیا جن میں لب و رخسار، صید و صیاد، ساقی و میخانہ پیرمغاں، آشیانہ، فاختہ، بادہ وساغر، جام وغیرہ اہم ہیں۔ یہ علامتیں تشبیہ سے استعارے کا سفر طے کرتے ہوئی علامت کے درجے تک پہنچیں۔ علامت ایک حد تک ہمارے شعور اور لاشعور کا حصہ بن جاتی ہے پھر شعر کے پیکر میں مترشح ہوتی ہے۔
ڈاکٹر سلیم اختر کہتے ہیں:

> ''علامت خلا میں جنم نہیں لیتی، اسی طرح لاشعور سے علامت کے ظہور کا یہ بھی مطلب نہیں کہ لاشعور کوئی اندھا کنواں ہے جہاں سے کسی جادوگر کے چھو منتر سے کنول کے پھول کی طرح تیرتی سطح آب پر آ جاتی ہے۔''(۷)

دراصل شاعر کا تخیل اور وجدان اسے باہر لاتا ہے۔ اگر فنکار کا تخیل، کمزور ہے تو کوئی بھی تشبیہ، استعارہ یا علامت اپنی مقصدی سطح کو نہیں چھو سکتی۔ علامت، استعارہ ہی کی صورت ہے لیکن ہر استعارہ علامت نہیں بن سکتا۔ صرف وہ استعارہ علامت بن سکتا ہے جو کسی نہ کسی فکری نظام کا حصہ ہو۔ ''فکری نظام کا حصہ بنے بغیر کوئی استعارہ علامت نہیں بن سکتا۔'' (۸)
احمد فراز کی شاعری میں علامتیں تخلیقی ندرت کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہیں۔ ان کے ہاں عام طور پر چراغ، سورج، وحشی، مسافر، غزال، پیڑ، دشت، صلیب، صحرا، مقتل، قاتل، جگنو، جنگل، گل وغیرہ ایسی علامتیں موجود ہیں جو اپنے خاص معنی رکھتی ہیں۔ مثالیں دیکھیے:

مرے چراغ تو سورج کے ہم نسب نکلے
غلط تھا اب کے تری آندھیوں کا تخمینہ

(نابینا شہر میں آئینہ، ص ۱۵)

یہ مٹھیاں میں نے کھول دیں تو/ وہ ساری سچائیوں کے موتی/ مسرتوں کے تمام جگنو/
جو بے نصیبی کے جنگلوں میں / یقین کا راستہ بناتے ہیں (پس انداز موسم، ص۷۱)

ان کے علاوہ کرداری حوالے سے بھی علامتیں ملتی ہیں جو جانور وں سے انسان کے لیے مستعار لی گئی ہیں۔

یہاں بے شمار اُلوؤں کے بسیرے ہیں، چمگادڑوں کے ٹھکانے ہیں اور
گیدڑوں نے کئی غار کھودے ہوئے ہیں

(تنہا تنہا، ص ۲۲)

یہاں بظاہر تو کھنڈر کی صورت حال پر روشنی ڈالی گئی ہے لیکن در پردہ انسان کے تخریبی رویوں، غیر ذمہ دارانہ انداز فکر اور زمانے کی بے حسی پر علامتی انداز میں گہرا طنز کیاگیا ہے۔ انسان کا بنیادی نظامِ سماج ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے جس پر اُلو چمگادڑ اور گیدڑ وغیرہ نہ صرف چیخ

چلا رہے ہیں بلکہ ان کی کمزوریوں سے فائدہ بھی اٹھارہے ہیں۔ احمد فراز کی شاعری میں ایسی علامتیں بھی ہیں جو ہمارے مذہب،سیاست، سماج، معاشرت اور بنیادی انسانی مسائل کی نشاندہی کرتی ہیں۔جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ علامت فرد کے شعور، لاشعور اور اپنے عہد کے سماج سے جنم لیتی ہے۔ احمدفراز کی شاعری میں علامت، ان کے رومانوی مزاج اور سرمایہ دارانہ، جبر و ستم پر مبنی نظام کے سبب وجود میں آتی ہے۔

سرمایہ دارانہ اور آمریت پرست نظام سے بغاوت کے سبب وحشی، جنگل اور دشت وغیرہ کی علامتیں استعمال کی گئیں۔ سماج کے اندر فکری تیرگی کے پھیلاؤ کے سبب سورج چراغ اور جگنو کی علامتیں سامنے آئیں۔ پیڑ کی علامت اُن کے یہاں وسیع تناظر میں استعمال ہوئی ہے۔ پیڑ ان کے نزدیک چھاؤں کا ذریعہ اور منفعت کا استعارہ بھی ہے۔احمد فراز کی شاعری میں موجود علامات کا دقت نظری سے مطالعہ کریں توعلامات کا جہانِ معنی آباد ہے اُ ن کے یہاں علامت نگاری کی چار سطحیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ محبت اور رومان کی سطح ۲۔سماجی رویوں کے خلاف بغاوت کی سطح

۳۔ رہنمائی او رفرض شناسی کے فقدان کی سطح ۴۔اہلِ علم و فضل اور اہلِ کردار کے ذکر کی سطح

۱۔جہاں تک محبت اور رومان پر مبنی رویوں کا تعلق ہے تو ان کے یہاں محبوب کے لیے عموماً خورشید اور چاند کو بطور علامت استعمال کیا گیا ہے:

وہ چاند تھا میرے بازؤوں میں
آغوش تھا آسمان میرا

(خواب گل پریشاں ہے، ص ۸۲)

میں تو ذرہ تھا مگر اے مرے خورشید خرام
تو مجھے روند گیا ہے تو ستارہ ہوا میں

(اے عشق جنوں پیشہ، ص ۱۵۰)

۲۔ سماجی رویوں کے خلاف بغاوت کی سطح:

جبر و ستم پر مبنی استحصالی نظام اور اس نظام سے وابستہ کرداروں کے لیے گرگ او رنہنگ وغیرہ کو بطور استعارہ استعمال کیاگیا ہے جو ان کی شاعری میں علامت کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ علامتیں جبر کے نظام سے وابستہ تمام اقتدار و دولت پرست افراد کے لیے استعمال کی گئی ہیں۔ایک مثال دیکھئے:

بیکار الجھتے ہو فراز اہلِ جہاں سے
شکوہ بھی نہنگوں سے ہے پانی میں بھی رہنا

(اے عشق جنوں پیشہ، ص ٦٩)

یہاں نہنگ کی مناسبت سے ''پانی میں رہنا'' ضرب المثل کا بھی خوب استعمال ہوا ہے۔

۳۔ رہنمائی اور فرض شناسی کے فقدان کی سطح:

ناگ خود ہی تو خزانوں نے یہاں پالے ہیں
آگ پھولوں نے بکھیری ہے گلستانوں میں

(تنہا تنہا، ص ۳۵)

ناگ جبر و ستم پر مبنی نظام کے کرداروں کا استعارہ اور علامت ہے جن کے پیدا کرنے اور پالنے میں اپنی کوتاہیاں اور فرض شناسی کا فقدان شامل ہے جس میں سیاستدانوں سمیت عام آدمی کو بھی موردِ الزام اور اس کا ذمہ دار ٹھہرا گیا ہے۔

۴۔اہلِ علم و فضل اور صاحبِ کردار افراد کے لیے عموماً چراغ، پیڑ اور سورج کی علامتیں ملتی ہیں:

اب کے ایسی آندھیاں اُٹھیں کہ سورج بجھ گئے

ہائے وہ شمعیں کہ جھونکوں سے بھی تھیں ناآشنا

(تنہا تنہا، ص ٦٨)

احمد فراز کی شاعری کا علامتی نظام اِنہی چار سطحوں پر مبنی ہے۔ یہ چار سطحیں ایسی ہیں جن پر اُن کی شاعری اور فکری نظام کا مکمل خاکہ تیار کیا جا سکتا ہے۔احمد فراز کی شاعری میں الفاظ کا معنوی دائرہ کار بڑھانے میں علامت کا اہم کردار ہے۔

۳۔ مجاز مرسل

جب الفاظ اپنے اصلی اور حقیقی معنوں کی بجائے غیرحقیقی معنوں میں استعمال ہوں تو وہ مجاز کہلاتے ہیں۔ مثلاً ''ندیم کے گھر چاند پیدا ہوا''۔ یہاں "چاند" بیٹے کے لیے استعارہ کیا گیا ہے اورمجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح مجاز مرسل وہ لفظ ہو گا جو اپنے مجازی معنو ں میں استعمال ہو۔ ایک خاص بات اور وہ یہ کہ اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کے تعلق کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو گا۔ علما نے اِس تعلق کی متعدد شکلیں بتائی ہیں لیکن یہاں صرف ان صورتوں کا ذکر کیا جائے گا جو احمد فراز کی شاعری میں الفاظ کی نئی معنوی تشکیل میں معاون ثابت ہوئی ہیں۔مثلاً مسبب بول کر سبب مراد لینا، آلہ بول کر صاحبِ آلہ مراد لینا، کل کا ذکر کر کے جزو مراد لینا، سبب بول کر مسبب مراد لینا، ظرف بول کر مظروف مراد لینا، وصف بول کر موصوف مراد لینا وغیرہ کی مدد سے احمد فراز نے الفاظ کو نئی معنویت بخشی ہے۔

مجھے تو ڈر ہے کہ شیخِ حرم کے ہاتھوں سے
مری طرح کہیں رسوا رسول و رب بھی نہ ہوں

(بے آواز گلی کوچوں میں، ص ٦٣)

یہاں ''شیخ حرم کے ہاتھ سے'' مجاز مرسل ہے۔ مسبب بول کر مراد سبب لیا گیا ہے۔ ہاتھ سبب ہیں اِس سے مراد مسبب ہے یعنی شیخِ حرم کے کردار سے اور اس کی کم ظرفی، ڈھٹائی، ذاتی لالچ اور ہوس کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ مری طرح رسول و رب ہی نہ رسوا ہو جائیں۔ جیسے اس نے مجھ پر بہتان باندھے ہیں، میری کردار کشی کی ہے، کہیں وہ رسول و رب کے خلاف ہی نہ ہو جائے یعنی جس طرح وہ من مانی کر رہا ہے، مذہب کی آڑ میں اپنے ذاتی مقاصد پورے کر رہا ہے، اسی آڑ میں وہ رسول و رب کی تعلیمات کی غلط تشریح نہ شروع کر دے۔ مجاز مرسل کے ذریعے طنز کا عمدہ قرینہ پیدا کیا گیا ہے۔

لب کشا لوگ ہیں،سرکار کو کیا بولنا ہے
اب لہو بولے گا تلوار کو کیا بولنا ہے

(اے عشق جنوں پیشہ، ص ٩٣)

یہاں آلہ بول کر صاحبِ آلہ مراد لیا گیا ہے۔ تلوا رآلہ ہے اور صاحبِ آلہ اُس کے چلانے والے ہیں۔ لہو کہہ کر مقتول مراد لیا گیا ہے کہ اب لوگ خود فیصلے کر لیں گے، ان کا لہو انتقام لے گا اور ان کی تلوار انتقام لے گی۔ حاکم جابر کو للکار کر کہا گیا ہے کہ اب آپ کی کوئی بات نہیں چلے گی اور مظلوم خود فیصلے کریں گے اور اپنے اوپر کیے گئے ظلم و ستم کا بدلہ خود لے لیں گے۔ مجاز مرسل کا یہ قرینہ الفاظ کو نئے معنی دے رہا ہے۔

تیرے ہوتے ہوئے آ جاتی تھی ساری دنیا
آج تنہا ہوں تو کوئی نہیں آنے والا

(درد آشوب، ص ٨١)

کل کا ذکر کر کے جزو مراد لینا۔ ''ساری دنیا'' مجاز مرسل ہے۔ ساری دنیا سے مراد چند لوگ ہیں تمام دنیا نہیں۔ یعنی اے محبوب جب تو آتا تھا تو تیرے ساتھ یا تیری وجہ سے اور لوگ بھی میرے پاس آ جاتے تھے لیکن آج تنہا ہوا ہوں تو کوئی بھی آنے والا نہیں ہے جو آتے تھے، اُن کے آنے کا سبب

تو ہی تھا۔ مجاز مرسل کا خوب صورت استعمال ہے۔

تمام شہر ہے مقتل اُسی کے ہاتھوں سے
تمام شہر اُسی کی دعائیں دیتا ہے

(نایافت، ص ۱۰۹)

کل بول کر جزو مراد لینے کا قرینہ موجود ہے۔''تمام شہر'' سے مراد شہر کے چند لوگ ہیں، جو محبوب کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں، یہاں ''ہاتھوں قتل ہونے''میں بھی مجاز کا قرینہ موجود ہے۔ہاتھوں سے نہیں بلکہ اداؤں سے قتل ہوئے ہیں جو شہر محبوب کے ہاتھوں قتل ہوا ہے وہ اس کو دعائیں دیتا ہے۔ دوہرے مجاز مرسل کے استعمال سے شہر کے مضمون کو چار چاند لگ گئے ہیں۔

ہمارے بچوں کو اپنی یادوں سے دور نہ رکھو/جن کے بدن /
گلیوں میں دم توڑ دیتے ہیں /اب انتقام کا ہاتھ بلند ہو چکا ہے۔

(سب آوازیں میری ہیں، ص ۱۳)

یہ نظم بنیادی طور پر Forget not our mother by liva Mackary کا اردو ترجمہ ہے جس کی ایک سطر ''اب انتقام کا ہاتھ بلند ہو چکا ہے'' میں مجاز مرسل کا استعمال کیا ہے۔ یہاں ہاتھ سبب ہے جس کا مسبب باغی یا بغاوت ہے۔ یہاں سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

آنکھ بھی برسی بہت بادل کے ساتھ
اب کے ساون کی جھڑی اچھی لگی

(خواب گل پریشاں ہے، ص ۷۳)

سبب کا ذکر کر کے مسبب مراد لیا گیا ہے۔ سبب آنکھ ہے: مسبب: آنسو ہیں، آنکھ نہیں آنسو برستے ہیں۔

کچھ تو اُس حسن کو جانے ہے زمانہ سارا
اور کچھ بات چلی ہے مرے احباب سے بھی

(درد آشوب، ص۳۱)

حُسن وصف ہے محبوب کا، محبوب موصوف ہے۔ وصف بول کر موصوف مراد لیا گیا ہے یعنی زمانہ کچھ تو محبوب کے حُسن سے پہلے ہی واقف ہے اور کچھ میرے احباب سے بات چل نکلی: محبوب کے حسن کے اظہار کے لیے مجاز مرسل کا قرینہ نہایت کارگر ثابت ہوا ہے۔

رسم چل نکلی عجب اب میکدے کی خیر ہو
ہے وہی جمشید جس کے ہاتھ پیمانہ پڑے

(درد آشوب، ص ۱۳۵)

ظرف بول کر مظروف مراد لیا گیا ہے۔ ظرف پیمانہ اور مظروف اس کے اندر موجود شراب ہے یعنی میکدے میں رسم چل نکلی ہے جن کے ہاتھ پیمانہ آ جائے وہی بادشاہ بن جاتا ہے۔ یہاں شراب کے اثرات ظاہر کرنے کے لیے مجاز مرسل کا عمدہ قرینہ استعمال ہوا ہے۔مجاز مرسل کا معنوی واسطہ بروئے کار لاتے ہوئے احمد فراز نے الفاظ کی معنوی فہرست میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔

۴۔ کنایہ

کنایہ کے لغوی معنی ''پوشیدہ یا چھپی ہوئی بات'' کہنے کے ہیں۔ علمِ بیان کی رُو سے کنایہ سے مراد ایسا کلمہ ہے جس کو استعمال کر کے اس سے مجازی معنی مرادلیے جائیں لیکن اس کے حقیقی معنی بھی جائز ہوں جیسے موئے سیاہ کنایہ ہے۔ جوانی سے اور اسی طرح موئے سفید بڑھاپے کا کنایہ ہے۔کنایہ کی متعدد اقسام میں سے یہاں صرف ان اقسام سے ایک ایک مثال پیش خدمت ہے جو احمد فراز کی شاعری میں معنی کا نیا رخ سامنے لاتی ہے۔

کنایہ قریب: ایسا کنایہ جو آسانی سے سمجھ آجائے۔اس میں موصوف کی صفت کا ذکر ہو اوراس سے مراد بھی موصوف ہوتا ہے جیسے سفید ریش ہونا بڑھاپے کا کنایہ ہے،(مثال):

دل نے ذرا سے غم کو قیامت بنا لیا
ورنہ وہ آنکھ اتنی زیادہ خفا نہ تھی

(درد آشوب، ص ۵۵)

ذرا سے غم کو قیامت بنا لینا عاشق کی صفت ہے اور آنکھ کا خفا ہونا محبوب کی طرف کنایہ ہے۔

کنایہ بعید: اگر کئی صفتیں جمع کرنے کے بعد موصوف ذہن میں آجائے تو کنایہ بعید ہو گا۔(مثال):

طلوع ہوتا رہا تُو ہر ایک سال مگر
مرے وطن کی جبیں پھر بھی جگمگاتی نہیں

(تنہا تنہا، ص ۱۷۸)

طلوع ہونا، ایک سال کے بعد طلوع ہونا۔ طلوع ہونے سے خوشی کا احساس ہونا۔ یہ تین صفات جمع کی جائیں تو ذہن موصوف یعنی ہلالِ عید کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ اس شعر میں ہلالِ عید کی طرف کنایہ ہے۔

کنایہ تلویح: وہ کنایہ ہے جس میں لازم و ملزوم کے درمیان واسطے زیادہ خفی اور پیچیدہ ہو ں۔(مثال):

ہر ایک بات نہ کیوں زہر سی ہماری لگے
کہ ہم کو دستِ زمانہ سے زخم کاری لگے

(درد آشوب، ص ۳۱)

دستِ زمانہ اہلِ دنیا کا کنایہ ہے، اہلِ دنیا نے زہریلے زخم لگائے۔ ان کا زہر ہمارے اندر رچ بس گیا اور وہ زہر ہماری زبان میں شامل ہو گیا اسی لیے جب ہم بولتے ہیں تو ہماری ہر ایک بات لوگوں کو زہر سی لگتی ہے کیونکہ اہلِ دنیا کی باتوں سے زہر ہمارے اندر سرایت کر گیا ہے اور وہی زہر اب زبان کے ذریعے ہم اگل رہے ہیں۔

ایما یا اشارہ: کنایہ میں نہ واسطے زیادہ ہوں، نہ پوشیدگی ہو تو اسے ایما یا اشارہ کہتے ہیں یعنی کوئی کہے کہ ”شراب اس کی گھٹی میں پڑ ی ہوئی ہے“ تو اس سے مراد یہ ہو گی کہ ابتدائے عمر سے اسے شرا ب نوشی کی عادت ہے۔(مثال):

چاکِ گریباں پھرنا کس کو خوش آتا ہے فرازؔ
ہم بھی اس کو بھول نہ جائیں دل پر اگر ہو زور

(دردِ آشوب، ص ۱۱۰)

چاکِ گریباں پھرنا عاشق دیوانا کی طرف اشارہ ہے۔

مجموعی طور پر دیکھاجائے تو استعارہ ،علامت، مجاز مرسل اور کنایہ کی صورت میں احمدفراز نے الفاظ کے غیر وضعی یا غیر لغوی معنی کی طویل فہرست ہمارے سامنے رکھ دی ہے الفاظ کے مجازی معنوں کا فیصلہ کبھی لغت سے نہیں ہوتا یہ عمل لغت سے ماورا ہوتاہے اس میں عقلی دلالتیں کام آتی ہیں۔ اس عمل میں احمد فراز نے تخیل کی مدد سے ایسے ایسے قرینے استعمال کیے ہیں کہ لفظ اپنے حقیقی معنوں سے کہیں آگے نکل گئے ہیں۔ چراغ کو صاحب بصیرت اور اہل علم انسان کے لیے برتنا، دریا سے اہل علم افراد مراد لینا، پیڑ کے معنی شفیق بزرگ کے نکالنا، خدا کا لفظ طنزاً جابر حاکم کے لیے استعمال کرنا، جگنو سے آنسو مراد لینا وغیرہ قابل تحسین عمل ہے۔علاوہ ازیں اس طرح کے بیسیوں الفاظ کو احمد فراز نے نئے معنوں کا چولا پہنایا ہے۔ المختصر احمد فراز کی شاعری میں الفاظ کا غیر وضعی معنوں میں استعمال ایک نئے جہانِ معنی کی سیر کراتاہے۔

حوالہ جات

۱۔ سید عابد علی عابد، **اسلوب**،لاہور:ص۱۷۸
۲۔ ایضاً: ص ۱۷۹
۳۔ ایضاً: ص ۱۸۳
۴۔ جابر علی سید، **استعارے کے چار شہر**، ص ۲۵
۵۔ سید اختر حسین جعفری: ڈاکٹر، "احمد فراز کی شعر ی جہتیں"، مشمولہ؛ **ماہِ نو**(احمد فراز نمبر) ،ص۳۳۵
۶۔ عارف عبدالمتین، **امکانات**، ص ۱۳۴
۷۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،"تخلیق اور تخلیقی مسائل نفسیات کی روشنی میں"، مشمولہ؛ **نقوش** ،لاہور: ادار ہ فروغ اُردو،س ن ، ص۱۰۴
۸۔ جابر علی سید، **استعارے کے چار شہر** ، ص ۱۹